حضرت صفوان بن معطل رضی اللہ عنہ

تحریر: برق التوحیدی "ٹوبہ ٹیک سنگھ"

تاریخ اسلام میں جن حضرات کو کسی خاص واقعہ کی نسبت سے شہرت ملی ان میں جلیل القدر صحابی حضرت صفوان بن معطلؓ خصوصیت سے قابل ذکر ہیں۔ جو واقعہ افک کی نسبت سے مشہور ہوئے۔ آپ ابوعمر و صفوان بن معطل بن ربیعہ السلمی الذکوانی الانصاری کے نام سے معروف ہیں۔ آپ غزوہ بنی مصطلق اور غزوہ خندق سے پہلے مسلمان ہوئے اور اس کے بعد والے غزوات میں شرکت کی سعادت پائی۔ آپ نبی ﷺ کے لشکر میں "مساقۃ الجیش" کی حیثیت میں ہوتے جو عموماً لشکر کے کسی جگہ سے کوچ کر جانے کے بعد روانہ ہوتا کہ کوئی چیز رہ گئی ہو تو اسے سنبھال لائے، یہی وجہ ہے کہ غزوہ بنی مصطلق میں جب نبی ﷺ دیگر لشکر سمیت مدینہ منورہ کو کوچ کر گئے تو آپ پڑاؤ والی جگہ پر ہی رہے تاکہ صبح کو لشکر کی رہی سہی اشیاء اٹھا لائیں۔ چنانچہ آنحضرت ﷺ کے ساتھ جو صحابہ کرامؓ حضرت عائشہؓ کے ہودج کو سواری پر رکھتے، اتارتے یا ساتھ چلنے پر مامور تھے انہوں نے حسب معمول یہ دیکھے بغیر کہ حضرت عائشہؓ کجاوے میں ہیں بھی یا نہیں، ہودج اٹھایا، سواری پر رکھا اور چل دیئے، حضرت عائشہؓ اس غلط فہمی کا سبب خود ارشاد فرماتی ہیں کہ اس وقت خواتین ہلکی پھلکی اور دبلی پتلی ہوا کرتی تھیں، کوئی زیادہ وزن نہ ہوتا تھا کہ ان کو احساس ہو جاتا۔ انہوں نے اس طرف توجہ دیئے بغیر رخت سفر باندھ لیا اور لشکر کی روانگی کے بعد حضرت صفوانؓ وہیں رہے صبح ہوئی جب میدان سے گزرے تو دیکھا کہ کوئی چیز پڑی ہے قریب آئے تو مجھے پہچان لیا کیونکہ انہوں نے حکم حجاب کے نزول سے قبل مجھے دیکھا ہوا تھا گویا حضرت عائشہؓ کا پردہ چہرہ مبارک سے سوئے ہونے کے سبب اترا ہوا تھا، تب ہی تو حضرت صفوانؓ کے بے ساختہ ﴿انا للہ وانا الیہ راجعون﴾ پڑھنے کی آواز سے آپ نے بیدار ہوتے ہی چہرے پر نقاب اوڑھ لیا، حضرت صفوانؓ فوراً اپنی سواری پیش کر کے دور کھڑے ہو گئے جب حضرت عائشہؓ سواری پر سوار ہو گئیں تو حضرت صفوانؓ سواری لے کر عازم مدینہ منورہ ہوئے۔

ادھر قرب مدینہ میں جب قافلہ رکا تو معلوم ہوا کہ حضرت عائشہؓ اپنے ہودج میں نہیں ہیں جس پر حضرت محمد ﷺ کو تشویش ہوئی چونکہ حضرت صفوانؓ پیچھے تھے جو اتنے میں حضرت عائشہؓ کو لے کر آ پہنچے۔

اس موقعہ پر یہ بحث بھی کی جاتی ہے کہ حضرت صفوانؓ کا لشکر سے پیچھے رہ جانا اتفاقی تھا یا کہ بوجہ ذمہ داری

تھا؟ اکثر مورخین ومفسرین اور شارحین حدیث کا خیال ہے کہ آپ کو باقاعدہ ذمہ داری سونپی گئی تھی کہ وہ رات کو لشکر کے پڑاؤ والی جگہ رہیں اور صبح رہی سہی اشیاء کو اٹھا لائیں تاہم حضرت مولانا مودودیؒ فرماتے ہیں:

''یہ صاحب بدری صحابیوں میں سے تھے ان کو صبح دیر تک سونے کی عادت تھی اس لئے یہ بھی لشکر گاہ میں کہیں پڑے سوتے رہ گئے تھے اور اب اٹھ کر مدینہ جا رہے تھے'' (تفہیم القرآن 312/3)

دوسری جگہ فرماتے ہیں۔

''اور قافلے ہی کا ایک آدمی خود اتفاق سے پیچھے رہ گیا تھا'' (ایضاً 366/3)

یہی خیال تقریباً حضرت مولانا صفی الرحمٰن مبارکپوری حفظہ اللہ تعالیٰ کا معلوم ہوتا ہے آپ فرماتے ہیں ''**وکان صفوان قد عرس فی اخریات الجیش لانہ کان کثیر النوم ،فلما راھا عرفھا**'' (الرحیق المختوم 443)

یعنی حضرت صفوانؓ زیادہ سونے کے عادی ہونے کی بنا پر لشکر سے پیچھے رات رہے جب انہوں نے حضرت عائشہؓ کو دیکھا تو انہیں پہچان گئے۔

حضرت صفوانؓ کے اتفاقاً لشکر سے پیچھے رہ جانے کے اس سبب کا ذکر متقدمین میں سے حضرت امام سہیلی نے بھی بصیغہ تقلیل وتمریض کیا ہے آپ فرماتے ہیں: ''**وقد روی فی تخلفہ سبب آخر و ھوانہ کان ثقیل النوم لا یستیقظ حتی یرتحل الناس و یشھد لصحۃ ھذا حدیث ابی داود**''. (الروض الانف مع ابن ھشام 220/2)۔ یعنی حضرت صفوانؓ کے پیچھے رہ جانے سے متعلق ایک اور سبب بھی بیان کیا گیا ہے اور وہ یہ کہ آپ کو بڑی گہری نیند آتی تھی اور لوگوں کے کوچ کر جانے کے بعد بیدار ہوتے، اس سبب کے صحیح ہونے پر ابوداؤد کی یہ روایت بھی دلالت کرتی ہے۔

گویا کہ ان حضرات کی اپنے اس موقف پر دلیل سنن ابوداؤد کی یہی حدیث ہے جسے مولانا مودودی مرحوم نے بھی حاشیہ تفہیم پر لکھا ہے جس میں آیا ہے کہ حضرت ابوسعیدؓ کی موجودگی میں ایک عورت نبی ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئی اور شکایت کی کہ میرا خاوند صفوانؓ بن معطل جب میں نماز پڑھتی ہوں تو مجھے مارتا ہے، اور جب میں روزہ رکھتی ہوں تو روزہ چھڑوا دیتا ہے اور یہ کہ وہ نماز فجر طلوع آفتاب کے بعد پڑھتا ہے، حضرت صفوانؓ بھی اس موقعہ پر موجود تھے جنہوں نے آنحضرت ﷺ کے پوچھنے پر وضاحت فرمائی کہ نماز پر میں اسے اس لئے

مارتا ہوں کہ یہ جب نماز پڑھتی ہے تو دو سورتیں پڑھتی ہے یعنی لمبی نماز پڑھتی ہے جس سے میں اسے روکتا ہوں تو آپ ﷺ نے فرمایا: اگر ایک سورت ہو تو بھی لوگوں کو کافی ہے یعنی مختصر نماز بھی ٹھیک ہے (یہ مسئلہ شاید نفلی نماز کا ہو) اور روزہ میں اس لئے چھڑواتا ہوں کہ یہ مسلسل روزے رکھتی ہے اور میں نوجوان آدمی ہوں صبر نہیں کر سکتا تو اس دن آپ ﷺ نے فرمایا: عورت اپنے خاوند کی اجازت کے بغیر (نفلی) روزہ نہ رکھے اور اس کا یہ کہنا کہ طلوع آفتاب کے بعد نماز فجر پڑھتا ہوں تو ہمارا گھرانہ اس سلسلہ میں معروف ہے، طلوع آفتاب سے قبل ہمارے لئے بیدار ہونا مشکل ہے تو آپ ﷺ نے فرمایا: تم جب بیدار ہوا کرو نماز پڑھ لیا کرو۔ (سنن ابو داؤد مع العون 306/2) حافظ ابن حجرؒ نے اصابہ میں کہا کہ ''اسنادہ صحیح''، لیکن ساتھ ہی یہ فرمایا کہ اس حدیث پر یہ اشکال وارد ہوتا ہے۔ کہ حضرت صفوانؓ فرماتے ہیں۔ ''واللہ ما کشفت کنف انثی قط''۔ بخدا میں نے کبھی کسی عورت کے کندھے کو ننگا نہیں کیا۔ حدیث افک میں ان الفاظ سے معلوم ہوتا ہے۔ کہ آپ نے شادی نہیں کروائی تو پھر ان کی بیوی کا ہونا اور شکایت کرنا چہ معنی دارد؟ اور اسی اشکال کی بنا پر حضرت امام بخاریؒ کے متعلق لکھتے ہیں۔ ''**اورد هذا الاشكال قديماً البخاری ومال الیٰ تضعيف حديث ابی سعيد بذلک**''۔ (الاصابہ 250/3) یعنی امام بخاریؒ نے بہت پہلے ہی اشکال کا اظہار فرما دیا ہے۔ اور اسی اشکال کی بنا پر امام موصوف اس حدیث کے ضعیف ہونے کا رجحان رکھتے ہیں، امام بخاریؒ کے ساتھ امام بزارؒ نے بھی اس حدیث کو ضعیف کہا ہے۔ لیکن حافظ ابن حجرؒ نے اس اشکال کا جواب بھی دیا ہے کہ۔ (**ويمكن ان يجاب بانه تزوج بعد ذلک**)۔ ممکن ہے کہ حضرت صفوانؓ نے اپنے اس قول کے بعد شادی کر لی ہو۔

حضرت صفوانؓ کی شادی:- مگر ہمیں تتبع بسیار کے باوجود حضرت صفوانؓ کی شادی کا ذکر یا صراحت کتب تاریخ و رجال میں نہیں ملی اور نہ ہی یہ معلوم ہو سکا کہ جس عورت (امرأۃ صفوان) نے اپنے شوہر کی شکایت کی اس کا نام و نسب کیا تھا، چنانچہ حضرت صفوانؓ کی شادی خود ایک بحث طلب مسئلہ ہے خصوصاً بایں وجہ کہ حضرت عائشہؓ کے متعلق آیا ہے:

(**وكانت عائشةؓ تقول سئل عن ابن المعطل فوجدوه رجلا حصورا ما ياتى النساء**) (البدایۃ 163/4) (ابن هشام 220/2) یعنی آپؓ فرماتی ہیں کہ صفوان بن معطلؓ کے متعلق پوچھا گیا تو ان کو

ایسا آدمی پایا گیا جو ''حصوراً'' ہے۔ یعنی عورتوں کے پاس نہ جاتے تھے، گویا کہ اشارہ ہے وہ جنسی طور پر اس قابل نہ تھے کہ شادی کریں جس سے حدیث افک میں موجود ان کے اپنے سابقہ تاثر کی تائید ہوتی ہے لیکن ضروری نہیں کہ اس سے ابن حجر کی تطبیق کا رد ہو کیونکہ ''حصوراً'' کا اصل معنی یہ ہے کہ انہیں عورتوں سے دلچسپی نہیں اور اس عدم التفات کا سبب جنسی طور پر نارمل ہونا ضروری نہیں چنانچہ یہی لفظ اللہ تعالیٰ نے حضرت یحییٰ علیہ السلام کے متعلق فرماتے ہیں ﴿ سیدا و حصورا و نبیاً من الصالحین ﴾ (آل عمران 39) یعنی حضرت یحییٰ علیہ السلام سردار اور عورتوں سے بے رغبت اور پیغمبر ہوگا نیکوں میں سے۔

''حصوراً'' کے علماء تفسیر نے مختلف معانی کیے ہیں اور روایات و آثار سے اپنے موقف پر استدلال بھی کیا ہے لیکن لغت و تفسیر کے اعتبار سے قرین مدح یہی معنی ہے کہ جو آدمی بربنائے عفت عورتوں سے بے رغبت ہوا سے ''حصوراً'' کہا جاتا ہے جبکہ جنسی طور پر نااہل ہونا خوبی نہیں بلکہ عیب ہے مشہور لغوی امام زبیدی فرماتے ہیں۔

(والحصور من لا یاتی النساء و هو قادر علی ذلک و انما یترکهن عفة و زهداً و هذا ابلغ فی المدح و قال المصنف فی البصائر فی تفسیر هذه الآية ، الحصور الذی لا یاتی النساء اما من العنة و اما من العفة و الاجتهاد فی ازالة الشهوة و الثانی اظهر فی الایة لان بذلک یستحق الرجل المحمدة) (تاج العروس 144/3) (ترجمہ) ''حصوراً'' اسے کہتے ہیں جو طاقت کے باوجود عورتوں کے پاس نہ جائے اور عفت و تقویٰ کی بنا پر ان سے بے رغبت ہو اور یہ معنی تعریف و ستائش میں سب سے واضح ہے اور مصنف نے اپنی کتاب البصائر میں اس آیت کی تفسیر میں لکھا ہے کہ حصور وہ ہوتا ہے جو (اپنی جسمانی) کمزوری و دشواری کی وجہ سے عورتوں کو نہ چاہے یا پھر ایسا آدمی جو اپنی پاکدامنی و عفت اور شہوت کے ازالہ پر محنت کی بنا پر عورتوں سے دلچسپی نہ رکھے اور یہ دوسرا معنی اس آیت کی تفسیر میں زیادہ واضح ہے کیونکہ اسی پہلو میں آدمی کی تعریف ہے'' امام قرطبی فرماتے ہیں (و قال ابن مسعودؓ ایضاً و ابن عباسؓ و ابن جبیر و قتادة و عطاء و ابو الشعثاء و الحسن و السدی و ابن زید هو الذی یکف عن النساء ولا یقر بهن مع القدرة و هذا اصح الاقوال لوجهین : احدهما انه مدح و ثناء علیه و الثناء انما یکون عن الفعل المکتسب دون الجبلة فی الغالب و الثانی ان فعولا فی اللغة من صیغ الفاعلین) (تفسیر القرطبی 84/4)

یعنی حضرت ابن مسعود حضرت ابن عباس اور ابن جبیر، قتادہ، ابوالشعثاد، حسن، السدی اور امام ابن زید رضی اللہ عنہ صحابہ و تابعین وغیرھم کے نزدیک حصورا ایسے شخص کو کہا جاتا ہے جو طاقت کے باوجود عورتوں کے قریب نہ جائے اور اپنے آپ کو ان سے روکے رکھے۔ اور یہ (حصوراً کی تفسیر میں) سب اقوال میں دو وجہ سے زیادہ صحیح ہے اول یہ کہ اس میں تعریف و مدح ہے اور تعریف بالعموم اس کام میں ہوتی ہے جو اختیاری و کسبی ہو نہ کہ طبعی اور فطری چیزوں میں، دوم یہ کہ لغت میں فعول بمعنی فاعل ہوتا ہے یعنی یہ صیغہ صفت نہیں بلکہ فاعل ہے جس میں قصد ہوتا ہے اس موقعہ پر حافظ ابن کثیرؒ نے قاضی عیاضؒ کی الشفاء کے حوالہ سے بہت عمدہ بحث کی ہے آپ فرماتے ہیں:

(اعلم اَن ثنا ء الله تعالیٰ علی یحیی انه کان ''حصوراً'' لیس کماقاله بعضهم انه کان هیوباً لا ذکرله ، بل قد انکر هذا حذاق المفسرین ، نقاد العلماء و قالوا: هذه نقیضة و عیب ولا یلیق بالا نبیاء علیهم السلام و انما معناه انه معصوم من الذنوب اَی لایاتیها کانه حصور عنها و قیل : مانعا نفسه من الشهوات و قیل : لیست له شهوة فی النساء ، و قد بان لک من هذا اَن عدم القدره علی النکاح نقص و انما الفضل فی کو نها موجودة ثم یمنعها اما بمجاهدة کعیسی او بکفایة من الله عز و جل کیحیی علیه السلام ثم هی فی حق من قدر علیها و قام بالوا جب فیها و لم تشغله عن ربه : درجة علیا و هی درجة نبینا صلی الله علیه و سلم) (تفسیر ابن کثیر 370/3)

یعنی اللہ تعالیٰ نے ''حصوراً'' سے حضرت یحیی علیہ السلام کی تعریف کی ہے، ایسا نہیں جس طرح بعض مفسرین کہتے ہیں کہ وہ جنسی طور پر نااہل تھے یا کہ آلہ تناسل سے محروم تھے بلکہ معتبر اور ماہر نکتہ رس مفسرین اور نقاد علماء نے اس کا انکار کرتے ہوئے کہا ہے کہ یہ تو نقص اور عیب ہے جو انبیاء علیہ السلام کی شایان شان نہیں اور بلا شبہ اس کا معنی یہ ہے کہ وہ گناہوں سے معصوم تھے۔ یعنی ان کا ارتکاب نہ کرتے تھے اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ وہ شھوات نفس پر کنٹرول کرنے اور اپنے نفس کو شھوات سے روکنے والے تھے یا کہ ان میں عورتوں سے کوئی دلچسپی نہ تھی جس سے یہ واضح ہو جاتا ہے کہ نکاح کی (جنسی) طاقت کا نہ ہونا عیب اور نقص ہے، جبکہ فضیلت یہ ہے کہ طاقت کے باوجود نفس پر کنٹرول اور خواہشات نفس کے خلاف مجاہدہ کی بنا پر حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی طرح یا پھر اللہ تعالیٰ کی طرف سے مستغنی کر دینے کی وجہ سے ہو جیسے حضرت یحییٰ علیہ السلام تھے پھر یہ ایسے شخص کے حق میں جس کو طاقت بھی ہو اور

اپنے حقوق بھی ادا کرے مگر اپنے رب سے لاتعلق نہ ہو ایک اعلی درجہ ہے جو ہمارے پیغمبر علیہ السلام کو ملا۔ الغرض ''حصوراً'' میں مدح وتعریف کا پہلو بھی ہے۔ جب اس سے ایسا آدمی مراد ہو جو مردانہ طاقت وقوت اور جسمانی صلاحیت کے باوجود اپنے آپ کو کنٹرول کرتے ہوئے عفت وعصمت اور تقویٰ وپرہیز گاری کے طور پر عورتوں سے بے رغبت ہو اور عین ممکن ہے کہ حضرت عائشہؓ کے قول میں بھی یہی مراد ہو اور خود حضرت صفوانؓ کے قول میں بھی اس طرف اشارہ ہو جس کے بعد شادی کر لی جو ایک اعلیٰ درجہ طہارت وتقوی کا لازمہ ہے۔

دوسری توجیہہ:۔ امام ذھبیؒ نے اس اشکال کی ایک اور توجیہہ بھی کی ہے کہ ممکن ہے جو صفوان بن معطلؓ واقعہ افک میں ہیں اور جن کے متعلق حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کہ وہ ''حصوراً'' تھے یا وہ خود اپنے متعلق کہتے ہیں کہ میں نے کبھی کسی عورت کا کندھا تک بھی نہیں دیکھا۔ یہ صفوانؓ اس صفوان سے مختلف ہوں اور وہ صفوانؓ جس کی بیوی نے آنحضرت علیہ السلام سے ان کی شکایت کی وہ کوئی اور صفوان ہو۔(550/2) نیز آپ فرماتے ہیں کہ امام واقدیؒ (طبری) نے حضرت صفوانؓ کی وفات 60ھ کو سمیساء میں لکھی ہے اور ابن اسحاق کی روایت ہے کہ آپ غزوہ ارمینیہ میں 19ھ کو فوت ہوئے جس میں آپ حضرت عثمان بن ابی العاصؓ کی سربراہی میں قیادت کر رہے تھے اب ان تاریخ ہائے وفات میں جو اتنا فرق ہے وہ دلالت کرتا ہے کہ صفوان بن معطلؓ نامی دو آدمی ہیں ان کے الفاظ ہیں(**فهذا تباين كثير في موته فالظاهر انهما اثنان والله اعلم**)(سیر 550/2)

الغرض آپ کی وفات میں اس اختلاف سے یہ دوسری توجیہہ سامنے آتی ہے کہ واقعہ افک میں شامل حضرت صفوان اور ہیں جن کی شادی نہ ہوئی تھی اور شادی والے کوئی اور صفوان ہوں لیکن جیسا کہ عرض کیا ہے کہ یہ محض لفظی توجیہہ ہے ورنہ ہمیں اس کی دلیل میں دو صفوان بن معطل نہیں ملے واللہ اعلم۔

عود الی المقصود:۔ مذکورہ اشکال کو رفع کرنے میں یہ دونوں توجیہات کس حد تک مفید ہیں اس سے قطع نظر ہم اصل مسئلہ کی طرف آتے ہیں کہ حضرت صفوان بن معطل غزوہ بنو مصطلق میں اتفاقاً پیچھے رہ گئے تھے یا کہ کسی ذمہ داری کے طور پر؟ چنانچہ جن حضرات کا خیال ہے کہ آپ اتفاقاً پیچھے رہ گئے تھے اور اس کا سبب یہ تھا کہ آپ کو سوئے رہنے کی عادت تھی اس عادت میں آپ لشکر سے پیچھے رہ گئے جس کی دلیل سنن ابوداؤد کی مذکورۃ الصدر روایت ہے لیکن دیکھنا یہ ہے کہ ان کے الفاظ (**فانا اهل بيت قد عرف لنا ذاك**) کا کیا معنی ومطلب ہے مولانا مودودیؒ نے حسب طبع یہ ترجمہ فرمایا ہے کہ ''یارسول اللہ یہ میرا خاندانی عیب ہے دیر تک سوتے رہنے کی اس

کمزوری کو میں کسی طرح دور نہیں کرسکتا'' یہ الفاظ بظاہر مقتضائے حدیث کے خلاف محسوس ہوتے ہیں کیونکہ عیب کا اطلاق مناسب نہیں اور نہ ہی یہ زیادتی معنی درست ہے کہ میں اس کمزوری کو دور نہیں کرسکتا، اول یہ کہ حضور علیہ الصلاۃ والسلام کا حکم ہو، شریعت کی پابندی ہو، کسی صحابی سے اس کی تعمیل پر انکار و معذرت ممکن ہی نہیں خصوصاً صحابہ کرامؓ جو نیکی اور تعمیل ارشاد میں ۔﴿فاستبقوا الخیرات﴾ اور ﴿و فی ذالک فلیتنافس المتنافسون﴾ کا اولین مظہر تھے وہ ہرگز ایسا نہیں کہہ سکتے نیز یہ بھی پیش نظر رہے کہ آپؐ اگر کسی صحابی کے بارے ایسا محسوس فرماتے تو ایسا متبادل علاج تجویز فرماتے کہ وہ خود بخود کسی ایسی غفلت اور تساہل یا عادت سے خلاصی پا جاتا ہے مگر یہاں یہ نہیں بلکہ دوسری بات ہے جو درست معلوم ہوتی ہے کہ حضرت صفوانؓ نے اپنے خاندانی پیشہ ''بہشتی'' یعنی رات گئے تک لوگوں کو پانی سپلائی کرنے کا عذر پیش کیا اور ظاہر ہے جو آدمی رات گئے تک کام کاج میں مشغول رہتا ہے اسے صبح بروقت اٹھنا مشکل ہے اور ایسی صورت میں شریعت مصالح عامہ کے پیش نظر اجازت بھی دیتی ہے جیسے حج کے موقع پر آپؐ نے عورتوں، بچوں، پانی پلانے والوں اور چرواہوں کو پیشگی جانے کی اجازت فرمادی تھی، چنانچہ محدث ڈیانویؒ فرماتے ہیں **(فانا اهل البيت ، اى انا اهل صنعة لاننام الليل " قد عرف لنا ذلک "اى عادتنا ذلک وهى انهم كانوايسقون الماء فى طول الليالى)** (عون المعبود 306/2) ''ہم خاندانی طور پر ایسے پیشے سے متعلق ہیں کہ رات کو سو نہیں سکتے اور ہماری عادت و معمول ہے کہ لوگوں کو آخر رات تک پانی پلاتے ہیں''۔ اور یہی عذر نماز فجر کو تاخیر سے پڑھنے کا ہے ورنہ کسی صحابی سے عام حالت میں ایسی عادت سے معمولاً متصف ہونا ناقابل فہم ہے جس درسگاہ میں انہوں نے تعلیم و تربیت پائی جس معلم انسانیت کے سامنے انہوں نے زانوئے تلمذ طے کئے وہ تو ''لا تستھموا'' کے مصداق ہیں وہاں یہ کیسے باور کیا جاسکتا ہے وہ اس ''عیب'' کے حامل ہوں اسی وجہ سے امام ذھبیؒ فرماتے ہیں۔ **(فهذا بعيد من حال صفوان ان يكون كذالک و قدجعله النبى ﷺ على ساقة الجيش فلعله آخر باسمه)** (سیر 550/2) محدث ڈیانویؒ فرماتے ہیں۔ **(لا يصلح هذا القدر ولا يراعى مثل هذا من حاله)** (عون المعبود 306/2) لہذا یہ سمجھنا چاہیے کہ جب وہ خاندانی پیشہ کی بناء پر رات کو دیر تک لوگوں کے گھروں میں پانی بھرتے رہتے ہیں تو تھکاوٹ کے بعد آخر رات کو سونے کی بنا پر علی الصبح بیدار ہونا مشکل ہوتا ہے ورنہ صبح دیر سے اٹھنا مستقل یا خاندانی ''عیب'' نہیں کہ اب ان کے خاندان میں کوئی یہ پیشہ اپنائے یا نہ اپنائے وہ اس خاندانی مرض میں

مبتلا ضرور ہوگا۔ یہ مفہوم خلاف واقعہ ہے بلکہ دیر تک کام کاج میں مشغول رہنا اس کا سبب ہے اور یہ سبب بہر حال غزوہ بنو مصطلق کی رات تو متحقق نہ تھا تو پھر اس موقعہ پر یہ تعبیر چہ معنی دارد؟

نیز حدیث کا سیاق وسباق بھی بتاتا ہے کہ یہ صرف مرد حضرات ہی کا عذر تھا یعنی جو حضرات اس پیشہ سے براہ راست متعلق تھے یعنی اول تو حضرت صفوانؓ سے متعلق یہ تصور کرنا کہ وہ بلا عذر شرعی محض خاندانی عادت کی بناپر نماز فجر طلوع آفتاب کے بعد پڑھتے تھے درست نہیں، اگر کثرت نوم کی یہ تعبیر ہے تو پھر کم از کم غزوہ بنو مصطلق میں تخلف کا سبب یہ نہیں کہ ہم ان کے وہاں قیام کو اتفاقی قرار دیں کہ وہ نیند کی وجہ سے پیچھے رہ گئے تھے، خصوصاً جبکہ روایات میں حضرت صفوان بن معطلؓ کے پیچھے رہ جانے کا سبب واضح طور پر منقول ہے حافظ ابن حجرؒ فرماتے ہیں

(ووقع فی حدیث ابن عمرؓ بیان سبب تآخر صفوان و لفظه "سال النبی ﷺ ان یجعله علی الساقة فکان اذارحل الناس قام یصلی ثم اتبعهم فمن سقط له شئی اتاه به" و فی حدیث ابی هریرةؓ، وکان صفوانؓ یتخلف عن الناس فیصیب القدح والجراب والاداوة و فی مرسل مقاتل بن حیان" فیحمله فیقدم به فیعرفه فی اصحابه) (فتح الباری 461/8)

یعنی حضرت عبداللہ بن عمرؓ کی حدیث میں حضرت صفوانؓ کے لشکر سے پیچھے رہنے کا سبب موجود ہے کہ آپؐ نے انہیں لشکر کے پیچھے رہ جانے پر متعین فرمایا لشکر کوچ کر جاتا آپ وہاں نماز میں مشغول رہتے پھر جب آتے تو گری پڑی اشیاء اٹھالاتے اور حضرت ابوھریرۃؓ کی روایت میں یہ بھی ہے کہ آپ لوگوں سے پیچھے رہتے اور پیالہ، مشکیزہ یا وضو کے برتن وغیرہ اٹھالاتے اور آکر جن جن کا سامان ہوتا ان تک پہنچادیتے۔ یہاں حضرت ابن عمرؓ کی روایت سے تو یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ آپ نے وہ رات سو کر نہیں بلکہ نماز پڑھ کر عبادت میں گزاری۔ جس سے ہماری بات کو تقویت ملتی ہے کہ نیند سبب طاری تھا جاری نہیں جو اس رات تو بہر حال متحقق نہیں، چنانچہ اکثر مورخین و مفسرین اور محدثین کے آپ کے تاخر وتخلف کا سبب یہی قرار دیا ہے کہ آپ ایک اہم ذمہ داری انجام دینے کو لشکر سے پیچھے رہے تھے حافظ ابن سعدؒ اور علامہ ذہبیؒ یا دیگر اصحاب تراجم کا یہ لکھنا کہ **(کان علی ساقة النبی ﷺ "** یا **" کان یسیر فی ساقة الجیش)** بھی اسی وجہ سے ہے امام ابن ھشامؒ لکھتے ہیں۔

(وقد تخلف عن العسکر لبعض حاجا ته بها فلم یبت مع الناس) (سیرت ابن ھشام 220/2)

امام سہیلیؒ فرماتے ہیں۔ **(وکان یکون علی ساقة العسکر یلتقط ما یسقط من متاع المسلمین**

حتی یا تیھم به و لذلک تخلف فی ھذا الحدیث الذی قال فیه اھل الافک)(الروض الانف 220/2)یعنی ابن ھشامؒ نے جس ضرورت کے پیش نظر لشکر کے پیچھے رہ جانے کا اشارہ کیا ہے وہ یہ ہے کہ آپ لوگوں کی جو چیزیں رہ جاتیں انہیں اٹھا لاتے اور واقعہ افک میں بھی آپ اسی لئے پیچھے رہے تھے۔ شیخ محمد بن عبدالوھابؒ نے اس واقعہ سے جو نتائج اخذ کئے ہیں ان میں ایک یہ بھی درج کیا ہے کہ (الثالثة عشرة : جواز تاخر بعض الجیش ساعة و نحو ھالحاجة تعرض له فی الجیش اذا لم تکن ضرورة الی اجتماع بن المعطل)(مختصر سیرت الرّسول:277)اسی طرح علامہ شیخ محمد الخضری نے لکھا ہے کہ (و کان الذی یسیر وراء الجیش یفتقد ضا ئعه صفوان بن المعطلؓ)(نور الیقین:156)یعنی جب لشکر کے اکٹھے روانہ ہونے کی ضرورت نہ ہو تو کچھ لوگ پیچھے رہتے تا کہ لشکر کی کسی ضرورت جس میں رہ جانے والے سامان وغیرہ اور گم شدہ اشیاء کا لانا بھی ہوتا تھا۔ اس سامان کو اٹھا لائیں اور حضرت صفوانؓ اسی غرض سے لشکر کے پیچھے رہتے تھے۔

ان تصریحات سے یہ واضح ہو جاتا ہے کہ غزوہ مریسع یعنی غزوہ بنو مصطلق میں حضرت صفوانؓ کا پیچھے رہ جانا اتفاقی نہ تھا اور نہ ہی نیند کا غلبہ اس اتفاق کا سبب تھا بلکہ آپ کو ایک اہم ذمہ داری سونپی گئی تھی جسے نبھانے کو آپ لشکر سے پیچھے رہے ہاں اس معنی میں ضرور اتفاقی ہے کہ آج کی رات آپ ایک عظیم الشان متاع اسلام، امانت خانہ نبوت، ناموس رسالت اور عزت خانہ صدیق کی خدمت و حفاظت کے ایک بہت نازک امتحان سے گزر کر شرف و عظمت کی انتہاء کو پانے کے لئے انتخاب قدرت کا مصداق بن رہے تھے یہ اتفاق واقعی اتفاق ہے جس پر سب کا اتفاق ہے۔

کیا آپؓ بدری ہیں:۔ اس ضمن میں اس بات کی وضاحت بھی خالی از فائدہ نہ ہوگی کہ مولانا مودودیؒ نے حضرت صفوانؓ کے متعلق لکھا ہے۔ ”یہ صاحب بدری صحابیوں میں سے تھے“ (تفہیم 312/3)

نیز فرماتے ہیں ”یہ مرد (حضرت صفوانؓ) نہ صرف یہ کہ اس قافلے کا ایک آدمی ۔۔۔۔تھا بلکہ وہ مسلمان تھا، ان خاتون کے شوہر کو اللہ کا رسول اور اپنا ھادی و پیشوا مانتا تھا اور ان کے فرمان پر جان قربان کرنے کے لئے جنگ بدر جیسے خطرناک معرکے میں شریک ہو چکا تھا“ (تفہیم 368/3)یعنی مولانا مرحوم کے نزدیک

حضرت صفوانؓ معرکہ بدر میں شریک تھے۔ حالانکہ غزوہ بدر سے پہلے ان کا مسلمان ہونا ثابت نہیں بلکہ ابن اثیرؒ فرماتے ہیں۔(اسلم قبل المریسع و شهد المریسع و قال الواقدی شهد صفوان الخندق و المشاهد بعد ها و كانت الخندق سنة خمس) (اسد الغابہ 26/3)

امام ذہبیؒ نے ابن سعد کے حوالہ سے لکھا ہے۔(اسلم صفوان بن المعطل قبل المريسع) (سیر 546/2) یعنی آپ غزوہ مریسع (بنومصطلق)۔شعبان 5ھ۔سے پہلے مسلمان ہوئے امام واقدی فرماتے ہیں کہ آپ نے خندق اور اس کے بعد والے غزوات میں شرکت کی اور غزوہ خندق (شوال) 5ھ کو واقع ہوا جبکہ ابن سعد نے بھی آپ کا غزوہ بنومصطلق سے پہلے مسلمان ہونا لکھا ہے۔جس سے یہ مراد ہرگز نہیں کہ آپ کا مسلمان ہونا جب غزوہ بنومصطلق سے پہلے ہے تو بدر بھی پہلے ہی واقع ہوا لہذا اس میں شرکت ممکن ہے، کیونکہ اس ''قبل'' سے مراد صرف یہ کہ ان کے مسلمان ہونے کے بعد یہی پہلا معرکہ ہوا جس میں آپ نے شرکت کی۔اسی وجہ سے کسی تاریخ و تراجم اور اصحاب سیرت نے حضرت صفوان بن معطلؓ کو اصحاب بدر میں ذکر نہیں کیا، اندریں صورت حضرت صفوان بن معطلؓ کو بدری لکھنا مولانا مرحوم کا ذھول ہے۔

عظمت صفوان رضی اللہ عنہ:۔ ان سطور میں چونکہ واقعہ افک کی تفصیل یا اس کی جزئیات سے بحث مقصود نہیں کہ وہ کیونکر شروع ہوا اور کیسے انجام کو پہنچا تاہم اس ضمن میں حضرت صفوانؓ سے متعلق دو چیزیں واضح ہو جاتی ہیں۔اول یہ کہ آنحضرت ﷺ کو آپ پر مکمل اعتماد اور اعتبار تھا اور ان کی امانت و دیانت پر مکمل یقین تھا اسی وجہ سے آپ نے لشکر کی بقیہ اشیاء اور ساز و سامان اٹھالانے پر آپ کو مامور فرمایا خصوصاً آج آپ کا انتخاب ایک امتحان تھا کہ عظیم تر امانت پیغمبر ﷺ آپ کے سپرد ہونا تھی۔

دوم یہ کہ آپ نے حضرت عائشہؓ کو دیکھتے ہی فوراً ﴿انا للہ و انا الیہ راجعون﴾ پڑھا جس سے آپ کی قلبی اور فکری طہارت و تزکیہ کا ثبوت ملتا ہے اور معلوم ہوتا ہے کہ آپ کو یہ کیفیت دیکھ کر انتہائی صدمہ ہوا اور آپؓ نے اسے شدت سے محسوس کیا یہی وجہ ہے کہ جب منافقین نے قصہ افک کو پھیلایا تو آپ ﷺ نے جس طرح حضرت عائشہؓ کے متعلق فرمایا (و ايم الله ان علمت على اهلى من سوء قط) اسی طرح حضرت صفوانؓ کے متعلق فرمایا (والله ان علمت عليه سوء قط) کہ خدا کی قسم میں نے ان میں کبھی کوئی برائی نہیں پائی۔بلاشبہ ان الفاظ

یں حضرت صفوانؓ کی بڑی شان اور عظمت ہے۔

سوم۔مگر اس سے بھی بڑھ کر فضیلت و منقبت کا پہلو یہ ہے کہ حضرت عائشہؓ کے ساتھ آپ کی برأت بھی قرآن کریم کا حصہ بن گئی اور یہ ایک ایسا اعزاز ہے جو حضرت عائشہؓ کے ساتھ صحابہ کرامؓ میں سے صرف حضرت صفوانؓ ہی کو نصیب ہوا۔

تاہم اس ضمن میں ہمیں یہ تو معلوم نہیں ہو سکا کہ اس بہتان تراشی کے بعد نزول برأت تک آپ پر کیا گزری اور کس قلق و اضطراب میں مبتلا رہے کیونکہ اصحاب تاریخ و سیر کی تمام توجہ حضرت عائشہؓ کی طرف ہی ہے جنہوں نے خود ایک مفصل روایت میں اپنے حالات کو بیان فرمایا۔اور ویسے بھی خانہ نبوت کے اعتبار سے منافقین نے جو سازشیں تیار کیں اس میں آپ ہی نشانہ بنیں نیز ایسے واقعہ میں جس قدر ایک خاتون متاثر ہوتی ہے۔مرد اس کی نسبت کم ہوتا ہے اس لئے حضرت صفوانؓ کی نسبت اصحاب سیر و تاریخ نے حضرت عائشہؓ کا ذکر تفصیلاً بیان کیا اور ایسا بوجوہ ہونا بھی چاہیئے تھا اور حضرت صفوانؓ ثانوی حیثیت میں رہے۔اس وجہ سے حضرت صفوانؓ کے یہ ایام کس طرح گزرے کسی روایت میں صراحت نہیں ہے لیکن ایک طبعی ردعمل جو کسی بھی صاحب عفت و عصمت پر ظاہر ہوتا ہے اس کا ظہور تو یقینی تھا اور اسی بنا پر آتا ہے کہ جب حضرت حسانؓ نے حضرت صفوانؓ کی ہجو میں اشعار کہے تو حضرت صفوانؓ نے غصہ میں آ کر تلوار سے اس کا سر پھوڑ دیا (سیر 549/2)

ایک روایت اور اس کی اسنادی حیثیت: ۔حضرت صفوانؓ کو کلام الٰہی سے پاکدامنی اور برأت کا جو اعزاز حاصل ہوا نیز زبان رسالت سے جس طرح ان کی صفائی دی گئی اس کے بعد یہ تصور بھی نہیں کیا جا سکتا کہ آپؓ یا کسی اور نے آپ کی مذمت میں کچھ کہا ہو لیکن امام ذھبیؒ نے آپ کے ترجمہ میں یہ روایت نقل کی ہے کہ آپ کی ایک مرتبہ نبی ﷺ کے پاس شکایت کی گئی کہ انہوں نے ایک مرتبہ کسی رومی پر حملہ کر کے اسے زخمی کر دیا جب اس کی بیوی چیختی چلاتی ان کی طرف متوجہ ہوئی تو آپ نے چند اشعار کہے جنہیں نبی علیہ الصلاۃ والسلام نے ناپسند فرماتے ہوئے کہا۔(**دعوا صفوان ، فانه خبیث اللسان طیب القلب**)(سیر 548/2)

یعنی اس کو چھوڑ دیئے وہ زبان کا گندہ اور دل کا پاک ہے،اس میں بھی من وجہ تعریف ہے کہ زبان کی پراگندگی کا اشارہ محض اس کے بعض اشعار کی طرف ہو مگر قلبی طہارت کی شہادت بہت بڑا اعزاز ہے۔

اس کے باوجود یہ روایت بوجوہ قابل اعتبار نہیں اول یہ کہ خود امام ذھبیؒ فرماتے ہیں۔(**باسناد غیر متصل**) کہ

اس کی سند میں انقطاع ہے، دوم: اس کی کسی دوسری سند میں عامر بن صالح بن رستم متکلم فیہ ہیں، سوم: حسن مدلس ہیں اور یہ روایت ان سے معنعن ہے، چہارم: ابن حجرؒ اسے نقل کرنے کے بعد لکھتے ہیں کہ (و کان ذاک سنة ثمان و خمسین) یعنی یہ 58ھ کا واقعہ ہے جبکہ آپ کی وفات خلافت فاروقی میں ہوتی ہے جس سے اس خیال کو تقویت ملتی ہے کہ یہ شاعر قسم کے صفوان بن معطل کوئی اور ہیں۔ الغرض سند و معنی کے اعتبار سے ناقابل اعتبار اور ضعیف روایت کی بنیاد پر حضرت صفوان بن معطلؓ سے متعلق ''خبیث اللسان'' کا تاثر کسی طور بھی صحیح نہیں۔

دو واقعات:۔ حضرت صفوانؓ کی زندگی کے مفصل حالات و واقعات تو کتب تراجم میں میسر نہیں تاہم دو واقعات بعض کتب تراجم میں ملتے ہیں۔ جن کا یہاں ذکر یقیناً دلچسپی سے خالی نہیں پہلے واقعہ سے متعلق حضرت سعد مولیٰ رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں کہ ہم ایک سفر پر تھے اور ہمارے پاس کچھ کھجوریں تھیں حضرت صفوانؓ میرے پاس آ کر کہنے لگے مجھے ان کجھوروں میں سے کچھ کھانے کو دے دو، میں نے کہا یہ تھوڑی سی کھجوریں ہیں مجھے اندیشہ ہے جب حضور ﷺ طلب کریں گے (تو کم پڑ جانے پر میں کیا جواب دونگا) جب سب لوگ ٹھہر کر کھائیں گے آپ بھی کھا لینا انہوں نے کہا مجھے سخت بھوک لگی ہے (ان کے اصرار پر جب میں نے انکار کیا) تو انہوں نے سواری کی ٹانگیں کاٹ ڈالیں، جب نبی علیہ الصلاۃ والسلام کو خبر ہوئی تو آپؐ نے ارشاد فرمایا: صفوان سے بولو، چلا جائے۔

چنانچہ جب قافلہ نے پڑاؤ کیا تو وہ اس رات سو نہ سکے (بلکہ اسی پریشانی میں) ساری رات مختلف صحابہ کرام کے پاس گھومتے رہے یہاں تک کہ حضرت علیؓ کے پاس آئے اور کہا، میں کہاں جاؤں؟ کیا کافر ہو جاؤں، تو حضرت علیؓ آنحضرت ﷺ کی خدمت اقدس میں حاضر ہو کر عرض کرتے ہیں کہ اس نے تو آج رات ہمیں سونے نہیں دیا وہ کہاں جائے، کیا کفر کی طرف چلا جائے؟ تو آپؐ نے ارشاد فرمایا: صفوان سے کہیے وہ آ ملے، یعنی آپؐ نے اس کی ندامت، حب ایمان اور آپؐ کے فرمان پر اس کی تشویش اور پریشانی پر رحمت و شفقت فرماتے ہوئے اسے معاف کر کے اپنے ساتھ ملا لیا۔

عجیب واقعہ:۔ اسی طرح مسند احمد 312/5 میں حضرت صفوانؓ فرماتے ہیں ایک مرتبہ ہم حج کے لئے روانہ ہوئے۔ جب مقام ''عرج'' پر پہنچے تو اچانک ایک تڑپتے ہوئے سانپ کو پایا جو تھوڑی دیر بعد مر گیا (ہم میں سے) ایک آدمی نے اپنی تھیلی سے کپڑا نکال کر اسے لپیٹا اور پھر زمین میں گڑھا کھود کر اسے دفن کر دیا، جب ہم

مکہ مکرمہ پہنچے تو ایک شخص ہمارے پاس آ کر کہنے لگا تم میں سے عمر بن جابر کا ساتھی کون ہے ہم نے کہا ہم تو اسے جانتے بھی نہیں تو اس نے کہا تم میں سے اس جن کا ساتھی کون ہے۔ (یعنی جس نے اسے کفنایا اور دفنایا) انہوں نے کہا یہ فلاں آدمی ہے۔ تو اس نے کہا: اللہ تعالیٰ بہتر جزا نصیب فرمائے۔ وہ (جن جو سانپ کی صورت میں تھا) ان نو (۹) میں سے آخری جن تھا جو نبی ﷺ کے پاس قرآن کریم سننے کو حاضر ہوئے، یہ واقعہ اصابہ 289/4 پر دوسری سند کے ساتھ کسی اور سے بھی باتفصیل منسوب ہے۔

گویا قرآن کریم میں جن جنات کے قرآن پاک سننے کا واقعہ ہے ان کی تعداد نو (۹) تھی اور یہ اس موقعہ پر مرنے والے آخری جن تھے جسے صحابہ کرامؓ کے کفنایا اور دفنایا مگر اس واقعہ کی سند میں عمر بن نبھان راوی ''متروک'' ہیں۔

راوی حدیث:۔ حضرت صفوانؓ اگرچہ مکثرین صحابہ کرامؓ میں سے نہیں بلکہ حافظ ذھبیؒ نے تو لکھا ہے کہ **(وقدروی له حدیثان)** آپ سے صرف دو احادیث مروی ہیں البتہ ان سے روایت کرنے والوں میں سعید بن المسیب، ابوبکر بن عبدالرحمٰن، سعید المقبری اور سلام ابوعیسیٰؒ کا ذکر ملتا ہے جن کی روایت کے متعلق امام ذھبیؒ فرماتے ہیں۔ **(وروایتهم عنه مرسلة لم یلحقوه فیما أری، ان کان مات سنة تسع عشرة)** (سیر 546/2) یعنی ان کی روایت آپ سے مرسل ہے کیونکہ میرے خیال میں ان کی ملاقات نہیں ہو سکی اگر آپ کی وفات 19 ھ ہے گویا ان کی وفات متقدم ہونے کی بنا پر ان کی ملاقات ممکن نہیں تو جملہ روایات مرسل ہوں گی۔ بہرحال ان روایات میں سے ایک روایت میں حضرت صفوانؓ فرماتے ہیں۔ میں ایک سفر میں آنحضرت ﷺ کے ساتھ تھا میں نے آپؐ کی رات میں نماز کا خیال رکھا آپؐ نے عشاء کی نماز پڑھی اور سو گئے، جب آدھی رات ہوئی آپؐ اٹھے اور سورت آل عمران کی آخری دس آیات تلاوت فرمائیں اور سو گئے پھر اٹھے مسواک فرمائی، وضو بنایا اور دو رکعتیں پڑھیں، مجھے معلوم نہیں کہ آپؐ کا قیام لمبا تھا کہ رکوع یا سجدہ (گویا تینوں ارکان لمبے لمبے تھے) پھر آپؐ واپس ہوئے اور سو گئے پھر بیدار ہوئے اور وہی دس آیات تلاوت فرمائیں پھر مسواک کی اور وضو بنا کر دو رکعت نماز پڑھی، صفوانؓ کہتے ہیں پھر آپؐ اسی طرح کرتے رہے یعنی یہی عمل مبارک دوہراتے رہے یہاں تک آپؐ نے گیارہ رکعت نماز پڑھی۔

یہ روایت مسند احمد اور طبرانی میں بھی ہے لیکن اس کی سند میں عبداللہ بن جعفر المدینی ضعیف ہیں۔

دوسری روایت میں ہے کہ حضرت صفوانؓ نے رسول اللہ ﷺ سے عرض کیا کہ میں آپؐ سے ایک مسئلہ پوچھنا چاہتا ہوں جسے آپؐ جانتے ہیں اور میں اس سے ناواقف ہوں آپؐ نے فرمایا کیا ہے؟ انہوں نے عرض کیا: دن رات میں کونسا وقت ایسا ہے جس میں نماز پڑھنا مکروہ ہے تو آپؐ نے ارشاد فرمایا: جب تم صبح کی نماز پڑھ لو تو طلوع آفتاب تک نماز چھوڑ دو کیونکہ سورج شیطان کے سینگوں کے درمیان طلوع ہوتا ہے اس کے بعد سورج کے بالکل سر کے اوپر نیزہ برابر بلند ہونے تک نماز قبول ہوتی ہے جب سورج بالکل سر کے اوپر آجائے تو نماز چھوڑ دو، کیونکہ اس وقت جہنم تپائی جاتی ہے، جب تک کہ سورج تمھارے دائیں ابرو سے اوپر نہ ہو جائے، جب سورج ڈھل جائے زوال ہو جائے تو پھر نماز پڑھو اس وقت نماز جائز اور قبول ہوتی ہے یہاں تک کہ تم عصر کی نماز پڑھو، پھر نماز چھوڑ دو یہاں تک کہ سورج غروب ہو جائے۔

یہ روایت مسند احمد میں بھی ہے اور ابن حجرؒ نے اصابہ میں ابن حبان اور ابن شاھین کے حوالہ سے اس کی طرف اشارہ بھی کیا ہے مگر اس کی سند میں حمید بن الاسود اور ضحاک بن عثمان راوی متکلم فیہ ہیں۔

ممکن ہے ان روایات کے علاوہ بھی کوئی روایت حضرت صفوانؓ سے کتب حدیث میں منقول ہو مگر ہمیں صرف یہ دو احادیث ہی ملی ہیں غالباً جن کی طرف امام ذھبیؒ نے اشارہ کیا ہے واللہ اعلم۔

وفات:۔ حضرت صفوانؓ کی وفات کب اور کہاں ہوئی اس میں اختلاف پایا جاتا ہے جیسا کہ ہم پہلے بھی اشارہ کر چکے ہیں تاہم ابن اثیر نے آپ کی شہادت غزوہ ارمینیہ 17ھ لکھی جو حضرت عمرؓ کی خلافت میں ہوا، امام سیوطی نے بھی آپ کو ان صحابہ کرامؓ میں شمار کیا ہے جو خلافت فاروقی میں فوت ہوئے اور لکھا ہے کہ اس وقت آپ کی عمر تقریباً 60 سال سے متجاوز تھی اور ابن حجر نیز ابن اثیر نے ابن اسحاق کے حوالہ سے بھی یہی لکھا ہے تاہم اصابہ میں 17ھ کی بجائے 19ھ لکھا ہے اور ذھبی نے بھی 19ھ ہی لکھا ہے اور ابن السکن نے بھی اس بات کی تائید کی ہے کہ آپ کی وفات خلافت فاروقی میں ہوئی۔ اور جن لوگوں نے آپ کی وفات کے امیر معاویہؓ کے دور تک متاخر ہونے کا لکھا ہے ان میں امام واقدی آپ کی وفات جزیرہ میں 60ھ بتاتے ہیں جبکہ طبری وغیرہ نے بھی 60ھ لکھا ہے کہ آپ سمیساط میں فوت ہوئے۔ بعض نے 58ھ کا لکھا ہے۔ ان حضرات نے حضرت صفوانؓ کے اس واقعہ سے استدلال کیا ہے کہ آپ نے غزوہ روم میں حصہ لیا یا کسی رومی پر حملہ آور ہوئے آپ کی پنڈلی ٹوٹ گئی اس کے

باوجود آپ پر حملہ آور رہے حتیٰ کہ وفات پا گئے اور رومیوں سے یہ معرکہ حضرت معاویہؓ کے دور میں ہوا۔ لیکن ابن السکن فرماتے ہیں یہ واقعہ بھی خلافت فاروقی کا ہے (اصابہ 250/3) اور یہی بات قرین صحت معلوم ہوتی ہے ورنہ اس اختلاف کی وجہ امام ذہبیؒ یہ کہتے ہیں کہ (هذا تباين كثير في تاريخ موته، فالظاهر انهما اثنان والله اعلم)(سیر 550/2)

مرکزی جامع مسجد اہل حدیث کھوکھراں روڈ ہڈالی (دینہ) میں توحید وسنت کانفرنس

مورخہ 28 اپریل بروز جمعرات بعد از نماز عشاء مرکزی جامع مسجد اہل حدیث دینہ میں توحید وسنت کانفرنس زیر صدارت رئیس الجامعہ حافظ عبدالحمید عامر امیر مرکزی جمعیت اہل حدیث ضلع جہلم ہوئی۔ پروگرام کا آغاز حافظ محمد عثمان کی تلاوت سے ہوا۔ قاری عبدالوہاب صدیقی نے نعتیہ کلام پیش کیا۔ اس کے بعد قاری محمد یوسف راشد خطیب گوجرانوالہ اور مقرر شیریں بیان حضرت مولانا بہادر علی سیف خطیب سمندری نے توحید وسنت کانفرنس سے خطاب کیا۔ آخر میں رئیس الجامعہ کی دعا سے یہ عظیم الشان کانفرنس تکمیل پذیر ہوئی۔

تشکیل نو کابینہ اہل حدیث یوتھ فورس دینہ

جامع مسجد اہل حدیث کھوکھراں روڈ دینہ میں اہل حدیث یوتھ فورس دینہ کی تشکیل نو کیلئے ایک اہم اجلاس زیر صدارت عامر سلیم علوی جنرل سیکرٹری AYF ضلع جہلم منعقد ہوا جس میں عامر سلیم علوی نے اہل حدیث یوتھ فورس کے اغراض ومقاصد بیان کئے اور اہل حدیث یوتھ فورس دینہ کی تشکیل نو کی۔

سرپرست: محمد یعقوب مغل صدر: حافظ محمد شمعون نائب صدر: محمد غیاث

سیکرٹری جنرل: محمد عقیل ڈپٹی سیکرٹری جنرل: محمد سجاد سیکرٹری نشرواشاعت: عاطف ایوب

ڈپٹی سیکرٹری نشرواشاعت: میاں عاطف رابطہ سیکرٹری: چوہدری ادریس ڈپٹی رابطہ سیکرٹری: محمد قاسم

خازن: آصف محمود نائب خازن: عاصم محمود ناظم تبلیغ: طاہر محمود